جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم
مبارک ہو
سوغات جمعہ
خطبہ نمبر ۴۶
موضوع: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ، عصری تقاضوں کی روشنی میں
مرتب: مفتی محمد روشن رضا مصباحی ازہری
رکن: مجلس علمائے جھارکھنڈ
ناشر
مجلس علمائے جھارکھنڈ
پیشکش
AZhari Graphics Design
9304725724
9572198728
Imagitor

بیادگار
رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ
زیر سرپرستی حضرت مفتی مجاہد حسین رضوی مصباحی
زیر صدارت حضرت مفتی انور نظامی مصباحی
زیر حمایت حضرت مولانا قطب الدین رضوی
زیر ہدایت حضرت مولانا عرفان عالم مصباحی
زیر عنایت حضرت حافظ عبد المبین رضوی
زیر قیادت حضرت مولانا حبیب عالم رضوی
سوغات جمعہ
مجلس ادارت
مفتی شاہد رضا مصباحی
مفتی قطب الدین رضا مصباحی
مولانا طارق انور مصباحی
مولانا طفیل احمد مصباحی
مفتی صفی اللہ مصباحی
مفتی داؤد علی مصباحی
مولانا ابوہریرہ مصباحی
مفتی فیضان سرور مصباحی
مفتی شہباز احمد مصباحی
مجلس مشاورت
مولانا حسیب اختر مصباحی
مفتی ناصر حسین مصباحی
مفتی عالم نوری مصباحی
مفتی سخاوت علی مصباحی
مفتی امام الدین مصباحی
مفتی پرویز عالم مصباحی
مفتی فیض اللہ مصباحی
مولانا احسان الحق مصباحی
مولانا شاداب مصباحی
مفتی رضوان احمد مصباحی
مفتی عبد الوکیل مصباحی
مفتی عاقب جاوید مصباحی
مولانا توفیق عالم مصباحی
مولانا وقار احمد مصباحی
مولانا فیضان رضا علیمی
مفتی رجب علی مصباحی
مفتی روشن ازہری مصباحی
مولانا احمد رضا مصباحی
مولانا مشاہد رضا مصباحی
مولانا شمس الزماں جامعی
مولانا مناظر حسن مصباحی
مولانا صابر علی رضوی
مفتی فیصل رضا مصباحی
مفتی شمیم اختر مصباحی
مولانا غلام ربانی مصباحی
مولانا جاوید اختر مصباحی
مولانا عطاء المصطفی مصباحی
مولانا یونس رضا مصباحی
ناشر:- مجلس علمائے جھارکھنڈ
پیشکش المصباح پرنٹنگ پریس
9199247426
6299758276

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ

عصری تقاضوں کی روشنی میں

الحمد للہ الذی منّ علی من شاء من عبادہ بصفات الکمال، و رفع بعضھم علی بعض درجات لیبلوھم فیما أعطاھم من تلك الخصال، و أشھد أن لا إلہ إلا اللہ وحدہ لا شریك لہ الملك الکبیر المتعال و أشھد أن محمداً عبدہ و رسولہ الذی بعثہ اللہ لیتمم مکارم الأخلاق و محاسن الأعمال صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ و التابعین لھم بإحسان إلی یوم الدین. وبعد

لَّقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِی رَسُولِ اللهِ أُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ."(سورۃ: الأحزاب، آیت: ۲۱).

آئیے ہم سب مل کر کچھ عرض و معروض سے پیشتر اپنے اور ساری کائنات کے مرکز عقیدت، مالک کائنات، تخلیق وجہ کائنات، تاجدار آدم، تاجدارِ بنی آدم و آدم، شفیع محشر، محبوب داور، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں انتہائی احترام و عقیدت و احترام و حضوری قلب کے ساتھ دورد شریف کی نذر پیش کریں.

اللھم صل و وسلم علی سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ و سلم بعدد کل حسنہ و جمالہ و بارك وسلم.

امام اہل سنت، مجدد دین و ملت امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان نے کتنے منفرد انداز میں آقا کی بارگاہ میں عقیدتوں کا خراج پیش کیا ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں.

ہے کلامِ الٰہی میں شمس و ضحی ترے چہرہ ءِ نور فزا کی قسم
قسم شبِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم
ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کہا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالق حسن و ادا کی قسم
وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم
ترا مسندِ ناز ہے عرشِ بریں ترا محرمِ راز ہے روحِ امیں
تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم
یہی عرض ہے خالقِ ارض و سما وہ رسول ہیں تیرے میں بندہ ترا

مجھے ان کے جوار میں دے ہوہ جگہ کہ ہے خلد کو جس کی صفا کی قسم
یہی کہتی ہے بلبلِ باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیِ طبعِ رضا کی قسم۔

معزز سامعین! اللہ جل وعلا نے اس ارض گیتی پر اپنے بندوں کی ہدایت اور گم گشتگان راہ کو اسلام کے نوری شاہراہ کی رہنمائی اور ان کے توجہات کو معبودان باطل سے مبذول کرا کے خداوند قدوس کی ایک ذات پر مزکوز کرانے کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کی پاکیزہ جماعت کو اس زمین پر بھیجا اور یہ پاکیزہ جماعت جب اس زمین پر آئی تو یکے بعد دیگرے اللہ کے ہر پیغمبر نے اپنی مکمل ذمہ داری نبھائی اور اپنی ہر سانس کو خدمت دین متین کے لیے وقف فرمادیا، اور اپنی زندگی کے لمحات گزار کر اس دار ناپائیدار سے منتقل ہو کر دار سکون وقرار میں جاگزیں ہو گئے۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد اخیر میں بشارت عیسی اور دعائے خلیل بن کر مکہ کی سرزمین پر جناب عبد المطلب کے آنگن میں جناب حضرت عبد اللہ کے پشت انور سے سیدہ آمنہ کی گود میں ایک ایسا بیٹا جلوہ گر ہوا، جس کے آنے کی بشارت کبھی عیسی علیہ السلام دے رہے ہیں، کبھی خانہ کعبہ کی جالیوں کو پکڑ کر جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا مانگ رہے ہیں، اور خود خدائے تعالی عالم ارواح میں پوری ارواح انبیاء کو بلا کر اس جلیل القدر پیغمبر کی نبوت و رسالت اور اس کی مدد و نصرت کی گواہی لے رہا ہے، وہ عظیم آقا جو غریبوں کا مسیحا بھی ہے، یتیموں کا رکھوالا بھی، غم کے ماروں کا سہارا بھی ہے اور بے سہاروں کا آسرا بھی، یہ وہی ذات ہے جس کے فضائل وممیزات اور خصائص و خصائل، محاسن و محامد کو قرآن کی متعدّد آیات بیان کر رہی ہیں، وہی وہ شانوں والے نبی ہیں جن کے سر پر نبوت کا تاج رکھ کر اللہ نے باب نبوت کو بند فرمادیا، اور آپ کو خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا۔

کون ہیں وہ پیغمبر تو سنیں یہی ہیں ہمارے آقا و مولا جناب * احمد مجتبی، محمد مصطفی * صلی اللہ علیہ وسلم۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور آپ کے محاسن و محامد کا احاطہ کرنا ہم جیسوں کے بس میں نہیں ہے، میرے آقا کی شان تو یہ ہے۔

لا یمکن الثناء کما کان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔
یعنی! ہر ابتدا سے پہلے ہر انتہا کے بعد
ذات نبی بلند ہے ذات خدا کے بعد

مگر اس عجز وعدم قدرت کے باوجود بھی آپ کی پاکیزہ زندگی کے کچھ نمایاں پہلو اور چند گراں مایہ اوصاف سپرد قرطاس کیا جارہا ہے.

معزز سامعین! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات حسن خلق کا پیکر مجسم تھی اور ساری دنیا نے اخلاق و کردار اگر کہیں سے سیکھا ہے تو تاجدار انبیاء کی ذات ہے، کون سا ایسا وصف ہے جو آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود نہ ہو خواہ وہ صدق و امانت ہو یا عدل و انصاف، تواضع اور سخا ہو یا صبر و حیا سارے اوصاف جمیلہ میرے آقا کے رگ و ریشے میں پیوست تھے.

آپ کی شان صداقت و امانت کو ملاحظہ فرمائیں، مکہ کی زمین ہے، جہاں تمام کفار مکہ آپ کی جان کے دشمن ہیں، مکہ کی زمین بظاہر آپ کے لیے تنگ کردی گئی ہے، وہاں پہ آپ کا رہنا دوبھر ہو گیا ہے، ایسے دشمنوں کے بیچ میں اگر کوئی دوسرا شخص مقیم ہو تو اس کے اندر لاکھ خوبیاں ہوں مگر دشمن اس کا اعتراف نہیں کریں گے مگر آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان امانت و صداقت دیکھیں، کیا اپنے کیا بیگانے سبھی آپ کو صادق و امین سمجھتے ہیں اور اعلان نبوت سے پہلے ہی مکہ والوں نے آپ کو صادق الوعد والامین کا لقب دے دیا تھا اور آپ کی بارگاہ میں اپنے سامان و اسباب اور اسرار سب بطور امانت رکھ کر مطمئن ہو کر واپس چلے جاتے کیوں کہ انہیں یقین تھا کہ دنیا امانت میں خیانت کر سکتی ہے مگر جو کائنات میں امن و آشتی و محبت و رواداری کا درس دینے آیا ہے، ساری دنیا کو امانت و دیانت داری و صداقت و راست گوئی کا سبق سیکھانے آیا ہے وہ بھلا امانت میں خیانت کیسے کر سکتا ہے.

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو اللہ جل و علا نے آپ کو تبلیغ دین و دعوت توحید دینے کا حکم دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جبل صفا پر چڑھ کر پورے قریش کے لوگوں میں یہ کہتے ہوئے اعلان کیا. "آپ لوگوں کی کیا رائے ہے کہ اگر میں آپ کو بتاؤں کہ ایک اس وادی میں ایک لشکر ہے جو آپ پر حملہ کرنے کے فراق میں ہے. کیا آپ لوگ میری بات کو تسلیم کریں گے، تو سبھوں نے بیک زبان کہا: جی، ہاں، کیوں نہیں، ہم لوگوں نے تو آپ کو سچ کے سوا کبھی کچھ بولتے ہوئے دیکھا ہی نہیں ہے. یہ تو قریش کے لوگ تھے جو آپ کی امانت و صداقت کی گواہی دے رہے تھے مگر آپ کا بڑا دشمن نضر بن حارث اور جناب ابوسفیان قبل اسلام جب ان سے کوئی محمد بن عبد اللہ کے بارے میں کچھ پوچھتا تو وہ لوگ اس صفت حق گوئی کو چھپانے کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ برجستہ وہ اظہار کرتے، ھرقل بادشاہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار کے متعلق ان سے سوال کیا تو کہا: کیا آپ لوگ محمد بن عبد اللہ پر متہم بالکذب ہونے کا دعویٰ کرتے ہو؟ تو سبھوں نے کہا: نہیں ہر گز نہیں وہ سچے تھے اور ان کی امانت و صداقت کی گواہی ہم سبھی لوگ دیتے ہیں.

اور صدق و راست گوئی کا وصف سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے عطا فرمایا اور قرآن میں ارشاد ہوا۔"

وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۳۳﴾

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ کے اندر جاء بالصدق سے مراد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور صدق سے مراد قرآن پاک ہے، وہ جو کلام ربانی ہے اور اس کتاب و کلام سے زیادہ سچی بات تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی، کیوں کہ قرآن میں یہ بھی ارشاد ہوا: ومن أصدق من اللہ قیلا "ومن أصدق من اللہ حدیثاً" (القرآن) یعنی اللہ کے کلام سے زیادہ کوئی سچی بات ہو ہی نہیں سکتی، اور سب سے زیادہ لائق توجہ بات یہ ہے کہ سرکار علیہ السلام کے رگ و ریشہ میں تو سچائی و حق گوئی سرایت تھی ہی مگر آپ نے اپنی امت کو بھی اس پر آمادہ فرمایا اور حدیث شریف میں وارد ہوا۔

قال رسول اللهِ ﷺ: عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ". (متفق علیہ)

تم لوگوں کے اوپر سچائی لازم ہے کیوں کہ یہ سچائی بھلائی اور نیکی کی رہنمائی کرتی ہے اور یہ نیکیاں تمہیں جنت تک پہنچا دیں گی.

***امانت*:-**

یہ ایسا وصف تھا جو ذات نبی میں بدرجہ موجود تھا اور بعثت سے پہلے بھی آپ کو امین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، جناب سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت امانت و دیانت داری کو دیکھا تو آپ کی بارگاہ میں پیغام نکاح ارسال کیا، میرے آقا کی زندگی کا کوئی بھی مشکل سے مشکل ترین مرحلہ ہو ہر حال میں سرکار اس وصف سے متّصف رہے حتیٰ کہ ہجرت کی وہ بھیانک شب جب کافروں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور آپ کے قتل کے درپے ہو گئے تو ایسے دشوار ترین حالات میں بھلا کس کو لوگوں کی امانت کی فکر ہوتی ہے مگر قربان جائیں آپ کی ذات پر کہ آپ نے سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلایا اور کہا علی کل جب صبح ہو گی تو سارے لوگوں کی امانتیں اور ان لوگوں کے حوالے کر کے تم بھی مدینے آجانا.. سبحان اللہ

رحمت:-

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت بنا کر دنیا میں بھیجے گئے اور آپ کو قرآن نے رحمۃ للعالمین کہا.

معزز حاضرین! میں آپ کے ذہن کو تھوڑا اس طرف بھی مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ میرے آقا کی عظمت و شان کیسی ہے، اللہ جل وعلا نے جب اپنا تعارف پیش کیا تو قرآن کی پہلی سورۃ سورہ فاتحہ کے ابتدائی آیت میں فرمایا: الحمد للہ رب العالمین "ساری تحمید و تقدیس رب ذوالجلال کی بارگاہ میں جو ساری کائنات کا رب اور پالنہار حقیقی ہے، اللہ رب

العزت اپنے آپ کو عالمین کا رب قرار دیا پھر جب اپنے محبوب کے تعارف کی بات آئی تو اللہ نے کسی اور لفظ کا انتخاب نہیں فرمایا بلکہ جو عالمین اپنے لیے استعمال فرمایا تھا وہی عالمین اپنے اس حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی استعمال فرمایا اور کہا: وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ۝ یہ کہہ کر پوری دنیا کو بتادیا کہ اے میرے بندو! کائنات میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب میری تحت قدرت ہیں اور میں سب کا رب ہوں اور جس جس کا میں رب ہوں میرا حبیب ان تمام شئی کے لیے رحمت ہے. آپ کی شان رحمت کا یہ عالم ہے کہ کیا مسلمان کیا غیر مسلم، کیا شجر و حجر کیا حیوانات و بہائم سبھی لوگ آپ کی ردائے رحمت کے سائے میں داخل ہیں.. آپ کی رحمت، رأفت کے واقعات تو کتب تاریخ و سیر میں اتنے ہیں کہ اس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا مگر آپ کے سامنے سرکار علیہ السلام کی حیات مبارکہ کا ایک واقعہ جو سرزمینِ طائف سے متعلق ہے پیش کرتا ہوں.

سرزمین طائف کی وہ اذیتیں وہ تکالیف جنھیں سن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے، وہ پتھریلی و ریتلی زمین جہاں کوئی اس امید سے جائے کہ وہ لوگوں کو جہالت و ضلالت کی تاریکی سے نکال کر علم وہدایت کے نوری شاہراہ پر لاکر کھڑا کردے اور بدلے میں اس گالیاں دی جائیں، سب وشتم کے تیر سے وجود کو چھلنی کیا جائے، مزید ستم بالائے ستم یہ کہ اس پر غنڈوں کو تعینات کردیا جائے اور اتنے پتھر برسائے جائیں کہ نعلین مبارک خون سے بھر جائے، اتنی تکالیف کے بعد بھی جب پاکیزہ زبان سے کوئی کلمہ نکلتا ہے، کوئی بات نکلتی ہے تو وہ بد دعا کے الفاظ نہیں بلکہ ان کی ہدایت کی دعا نکلتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "اللھم اھد قومي فإنھم لا يعلمون" اے میرے مالک! میری قوم کے ان افراد کو ہدایت دے، یہ میری حقیقت نہیں جانتے. انہیں میرے مقام و مرتبہ کا علم نہیں ہے، یہ میری نبوت و رسالت سے آشنا نہیں ہیں.

اس موقع پر میں پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، میرے آقا لوگوں پر کس پر مہربان ورحم دل تھے.

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم جب سرکش ہوگئی، حدود الہیہ کو تجاوز کرنے لگی، انبیاء کرام کے فرامین کے تقدس کو پامال کرنے لگی، اور انھوں نے انہیں چیلنج کردیا کہ آپ اللہ سے دعا کرو، کیسا عذاب وہ بھیجے گا تو انھوں نے اپنے دست نبوت کو بارگاہ ربی میں دراز کیا اور عرض کیا: وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا
(سورة :النوح، الآية : ٢٦)

اے میرے مالک! ان کافروں میں سے کسی فرد کو روے زمین پر باقی مت چھوڑنا، ان سب کو تباہ و برباد کردے.

اب آپ ذرا دیکھیں جب سیدنا نوح علیہ السلام نے ان کافروں کے پے در پے ظلم کے بعد رب کی بارگاہ میں

التجا کی تو فرمایا. مولی ان کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر زندہ نہ چھوڑنا. مگر جب ہمارے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے کافروں کے ظلم پر رب کی بارگاہ میں دست کو دراز فرمایا تو ان کی ہلاکت نہیں ان کی ہدایت کی دعا مانگی.

کون تھے یہ کفار؟ یہ لوگ سب آپ کے دشمن تھے، انھوں نے آپ کو اذیت دی تھی، مگر اس کے باوجود آپ نے انہیں کسی اور لفظ سے نہیں بلکہ انہیں اپنی قوم کہہ کر دعائیں مانگی.

اس کے بعد پہاڑ کے فرشتے نے کہا تھا آکر یا رسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو انہیں پل بھر میں پیس کر رکھ دیا جاے. مگر میرے سرکار نے ارشاد فرمایا". فقالَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ: بَلْ أرْجُو أنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِن أصْلابِهِمْ مَن يَعْبُدُ اللهَ وحْدَهُ، لا يُشْرِكُ به شيئًا"(رواہ البخاری)

اے اللہ! میں ان کی ہلاکت نہیں چاہتا ہوں، اگر یہ لوگ مجھے نہیں سمجھتے تو کیا ہوا مجھے امید ہے کہ ان کی آنے والی نسلیں میرا کلمہ پڑھیں گی.

*عدل وانصاف:-

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں عدل و انصاف کا پہلو اس قدر نمایاں تھا کہ سامنے والا خواہ کوئی بھی ہو حتی کے آپ کے اپنے ہی کیوں نہ ہوں ان کے لیے بھی احکام شریعت میں کوئی رعایت وگنجائش روا نہیں رکھتے تھے، اور اگر کوئی اجنبی اور غیر شناسا ہی کیوں نہ ہو حتی کے جانور وچوپائے پر آپ ظلم ہوتا دیکھتے تو آپ مالک کو بلا کر تنبیہ فرماتے اور کسی بھی صورت میں ظلم وزیادتی اور ناانصافی کو پسند نہ فرماتے. چنانچہ حدیث شریف میں ایک دلچسپ بات مذکور ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ سرکار علیہ السلام کتنے عادل اور انصاف پرور تھے. صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث مذکور ہے.

عَنْ عَائِشَةَ ، أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ، فَقَالُوا : مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا ؟ قَالُوا : مَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إِنَّمَا هَلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ ؛ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللهِ لَوْ سَرَقَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا ". قبیلہ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کر لیا اور وہ معاملہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا تو قریش کے لوگوں نے باہمی گفتگو کی کہ اس تعلق سے سرکار علیہ السلام سے کون بات کرے گا؟ تو سبھی لوگوں نے کہا کہ اس کام کو اسامہ بن زید کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا، کیوں کہ یہ سرکار کے زیادہ قریب ہیں. جناب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اس معاملے میں کچھ مصالحت کرنے

اور معاملات میں کچھ نرمی کرنے کی گزارش کی، تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلے جو قومیں تھیں اسی سبب سے وہ ہلاک ہوگئیں کہ ان میں جب کوئی شریف چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیا جاتا اور جب کوئی کمزور و غریب چوری کرتا تو اس پر حد جاری کیا جاتا پھر آقا علیہ السلام نے پر جلال انداز میں فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرلے تو عدل کا تقاضا ہے کہ اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا .

اللہ اکبر! یہ ہے عدل، اس کا نام ہے انصاف مگر آج ہماری حالت کیا ہے ؟ اگر اپنا بیٹا یا کسی امیر کا بگڑا ہوا شہزادہ کوئی جرم کرلے تو اس کو یوں ہی چھوڑ دیا جاتا ہے اور مزید اس کو شہہ دی جاتی ہے جس کے نتیجے میں وہ اور بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کرکے دندناتے پھرتا ہے اور اگر سماج کا کوئی غریب یا کمزور کوئی معمولی جرم کر بیٹھے تو اس کا جینا دو بھر کردیا جاتا ہے، اس کو بائیکاٹ کرکے اس کے اوپر زمینیں تنگ کردی جاتی ہیں .

اور آقا کی بات تو دور آپ کے عظیم الشان صحابی اور آپ کے چہیتے، دوسرے خلیفہ اسلام، امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ عدل و انصاف کے اس عظیم مقام پر فائز تھے کہ آج بھی دنیا ان کے عدل و انصاف کی گواہی دیتی ہے اور اس عظیم جرنیل نے پوری دنیا کے حکمرانوں کو طرز حکومت سیکھا گیا مگر اس دور کے اسکالروں کو وہ عمر یاد نہیں جو آدھی دنیا کا حکمران تھا، وہ فرماتے ہیں "لو مات شاة على شاطى الفرات ضائعة لظننت ان الله عزوجل سائلى عنها يوم القيامة." اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری کا بچہ بھی مرجائے تو مجھ عمر کو ڈر لگتا ہے کہ اللہ مجھ سے حساب نہ لے .

* عفوو تسامح:-

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کو عفوو تسامح و درگزر اور ایک دوسرے کی غلطی اور اس کی زیادتی کو نظر انداز کرنے کی تلقین فرمائی اور صرف تلقین ہی نہیں بلکہ اس پر عمل کرکے بھی دکھایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک عظیم وصیت فرمائی تو آپ نے جواب دیا: اے ابوھریرۃ! تمھارے لیے ضروری ہے کہ تم حسن خلق کو اپنے اوپر لازم کرلو. "وأوصى النبي صلى الله عليه وسلم أبا هريرة بوصية عظيمة فقال: (يا أبا هريرة ! عليك بحسن الخلق). قال أبو هريرة رضي اللّه عنه : وما حسن الخلق يا رسول الله ؟ قال : (تصل مَنْ قطعك، وتعفو عمن ظلمك، وتُعطي من حرمك) [رواه البيهقى]

جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! حسن خلق کیا ہے ؟

تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے مجھ سے حسن خلق کے بابت دریافت کرنے والے سنو! جو تم سے رشتہ منقطع کرے تم اس سے اپنا تعلق استوار رکھو، صلہ رحمی کرو، اگر تم سے وہ آدمی بھی کبھی کچھ طلب کرے، جس نے تمھیں دینے سے انکار کیا تھا تو تم اس بات کو بھول کر اسے دے دینا اور اس کی ضرورت پوری کرنا، اور جو تمھارے اوپر ظلم کرے تم اس کو معاف کر دینا .

کیوں کہ بھلائی کرنے والوں کے ساتھ بھلائی کرنا، رشتہ جوڑنے والے کے ساتھ تعلق برقرار رکھنا یہ اخلاق تو ہو سکتا ہے مگر حسن اخلاق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تمھارے ساتھ برا سلوک کرتا ہے تو تم اس کے ساتھ حسن سلوک کرو، اگر کوئی تمہیں گالیاں دیتا ہے اور سب وشتم کے زہر آلود تیر سے سینہ کو چھلنی کرتا ہے تو تم صبر کر لینا اور اس کی ہدایت کی دعا کرنا.

ایک مرتبہ حضور علیہ السلام شدید دھوپ میں غزوہ ذات الرقاع "سے واپس آرہے تھے. جب سارے مجاہدین دھوپ سے بچنے کے لیے درخت کے سایہ میں چلے گئے تو حضور علیہ السلام بھی ایک درخت کے نیچے جا کر لیٹ گئے اور اپنی تلوار کو درخت کی ایک شاخ میں لٹکا دیا اور آپ کے چشمان مبارک لگ گئے تو اتنے میں قبیلہ بنی محارب کا ایک شخص آتا ہے اور وہ درخت کی شاخ سے لٹکی ہوئی تلوار کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور حضور علیہ السلام کی گردن پر رکھ کر بڑے ہی جسارت کے ساتھ کہتا ہے "من یمنعک منی یا محمد؟ اے محمد! اب اس تلوار کی وار سے تمہیں کون بچائے گا؟ کون ہے جو اس مشکل گھڑی میں تمھاری حاجت روائی کرے گا؟ تو حضور علیہ السلام نے برجستہ ارشاد فرمایا: "اللہ اللہ اللہ "وہ کوئی اور نہیں ہے بلکہ وہ میرا خالق ہے، میرا پروردگار ہے، میرا رب ہے جو تم جیسے شر انگریزوں کے شر سے بچائے گا، میرا رب اپنے بندوں کے احوال سے غافل نہیں ہے، جو جس حال میں فریاد کرتا ہے اس کی فریاد رسی کی جاتی ہے. اتنا کہنا تھا کہ خود بہ خود اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئ اور حضور علیہ السلام نے اس تلوار کو اپنے دست اقدس میں لے لیا اور اس کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرمایا :"من یمنعک منی"؟ اے اعرابي اب تو بتا تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ میرے رب نے تو مجھے بچا لیا، اب تمہیں کون بچائے گا؟ تو اس اعرابي نے کہا: میرا تو اس مشکل گھڑی میں کوئی مونس و مددگار نہیں ہے، بس اب آپ ہی کرم فرمائیں. آپ تو وہ ہیں جنہیں صادق و امین کہا جاتا ہے، آپ تو وہ ہیں جنھیں لوگ اپنا مسیحا تصور کرتے ہیں، آپ تو وہ ہیں جو بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں، تب حضور نے فرمایا اب بتاؤ کیا تم میرے دین کا کلمہ پڑھ کر داخل دین ہونا چاہتے ہو؟ تو اس نے کہا: نہیں! مگر میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب آپ کے ساتھ کبھی قتال نہیں کروں گا. تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آزاد کر دیا. جب یہ اعرابي اپنے قبیلہ میں جاتا ہے تو لوگوں میں یہ اعلان کرتا ہے "قد جئتکم من عند خیر الناس "کہ آج میں تمھارے پاس ایسے شخص کے پاس

سے آیا ہوں جس کا اخلاق دنیا میں سب سے اچھا ہے. (رواہ احمد بن حنبل)

یہ ایک بار کا واقعہ نہیں ہے بلکہ سرکار علیہ السلام کی پوری زندگی عفوو تسامح و خدمت خلق جیسے اعمال خیر سے مزین ہے.

عزیزان گرامی! جب سے یہ کائنات بنی ہے ہر دور کا یہ معمول رہا ہے کہ لوگ کسی نہ کسی ذی وجیہ وصاحب جاہ و حشم اور علوم و معارف کو اپنا پیشوا اور رہنما مانتے ہیں اور ان کی زندگی کے کردار وگفتار اور اخلاق وطرز زندگی کو اپنے لیے آئیڈیل تصور کرتے ہیں اور اس کے قالب میں اپنی زندگی کو ڈھال کر، اس کے صبح و شام کو اپنی زندگی میں اپنا کر اپنی روش کو اس کے فرامین کے مطابق بدل کر ایک باوقار زندگی گزارنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں مگر عام طور پر دنیا کے دوسرے معلّمین اخلاق کے ساتھ یہ المیہ رہا ہے کہ وہ جن اخلاقی اصولوں کی تبلیغ کرتے ہیں اور جن ملکوتی صفات کو اپنانے کی تلقین کرتے ہیں، جن خصائص کو نقوش راہ مان کر اتباع کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں خود ان کی اپنی زندگی میں ان تعلیمات کا اثر بہت کم ہوتا ہے، ان کی کتھنی اور کرنی میں تضاد ہوتا ہے اور یہ کام اتنا ناپسندیدہ ہے کہ قرآن میں اللہ نے فرمایا : یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴿۲﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴿۳﴾

ترجمہ :اے ایمان والو کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے کتنی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو (کنزالایمان)

آپ اگر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تو یہ واضح ہوجائے گا کہ آقا کا جو بھی ارشاد ہوتا پہلے آپ خود اس پر عمل کرتے بعد میں دوسروں کو تلقین کرتے. ان کی ذات میں آپ کو کہیں بھی یہ نقص نظر نہیں آئے گا اور یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جو شخص سیرت وکردار رسول پاک کی جتنی زیادہ گہرائی میں جائے گا وہ اسی قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند اخلاق اور پاکیزہ کردار کا مدح سرا نظر آئے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا سب سے بڑا اصول یہ تھا کہ نیکی کا کوئی کام اور ثواب کا کوئی عمل ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اس پر عمل کرتے تھے۔ آپ جب کسی بات کا حکم دیتے تو پہلے آپ اس کو کرنے والے ہوتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی صحابی اور وفادار خادم تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انھوں نے بہت قریب سے دیکھا تھا اور آپ کی سیرتِ مبارکہ کا بڑی گہرائی سے مشاہدہ کیا تھا۔ ان کا بیان ہے جس کو امام بخاری نے نقل فرمایا ہے "حَدَّثَنَا أَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ، فَمَا قَالَ لِي : أُفٍّ، وَلَا : لِمَ صَنَعْتَ ؟ وَلَا : أَلَّا صَنَعْتَ. (رواہ البخاری)

کہ میں نے پورے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجھے اُف تک نہیں کہااور میرے کسی کام پر یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیااور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ محاسن اخلاق کے حامل تھے۔

حضرت انس رضي الله تعالی عنہ سے زیادہ قریب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار اور اخلاق واعمال کے مشاہدے کا موقع ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضي الله تعالی عنھا کو میسر آیا تھا کیوں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقۂ حیات تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ظاہری اور درون خانہ کے معمولات و عادات سے واقف تھیں۔ایک مرتبہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عائشہ صدیقہ رضي الله تعالی عنھا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے امّ المومنین !حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور معمولات بیان فرمائیے۔ توعائشہ صدیقہ نے جواب دیا کہ کیا تم لوگوں نے قرآن نہیں پڑھا؟ سُئِلَتْ عَائِشَةُ عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ : كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ .(رواه مسلم) یعنی قرآنی تعلیمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار میں رچي اور بسی ہوئی تھی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ذرا بھی منحرف نہ تھے، گویا کہ اللہ تعالی نے قرآن کی صورت میں ہم مومنین کو کلام ربانی عطا کیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق وعادات و اطوار کے ذریعے اس کی عملی تفسیر پیش فرمائیں۔ خود قرآن کریم میں آپ کے بلند اخلاق و کردار کی شہادت دی گئی ہے " انك لعلى خلق عظيم "(سورہ القلم آیت:۴) اور بیشک تمھاری خوبی بڑی شان کی ہے (کنزالایمان)

اور علامہ عبد المصطفٰی اعظمی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ لکھتے ہیں : ”حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ محاسنِ اَخلاق کے تمام گوشوں کے جامع تھے۔یعنی حِلم و عَفْو، رحم و کرم، عدل و انصاف، جود و سخا، ایثار وقربانی، مہمان نوازی، عدمِ تشدُّد، شجاعت، ایفاء عہد، حسنِ معاملہ، صبر وقناعت، نرم گفتاری، خوش روئی، ملنساری، مساوات، غمخواری، سادگی و بے تکلفی، تواضع وانکساری اور حیاداری کی اتنی بلند منزلوں پر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فائز و سرفراز ہیں کہ حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہَا نے ایک جملے میں اس کی صحیح تصویر کھینچتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ”کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنَ“ یعنی تعلیماتِ قرآن پر پورا پورا عمل یہی آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے اَخلاق تھے۔
(سیرتِ مصطفی، ص ٦٠٠)

جبھی تو ہمارے امام نے مچل کر کہا:

تیرے خُلق کو حق نے عظیم کہا تیرے خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا تیرے خالقِ حسن واَدا کی قسم

برادران اسلام! ہم آپ کی بارگاہ میں ایک ایسا واقعہ ذکر کرتے ہیں جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ آپ اخلاق و کردار کے عظیم مقام پر متمکن تھے آپ کے حسن معاشرت سے جہاں بڑے بڑے لوگ متاثر ہوئے اور قائل تھے وہیں چھوٹے بچے بھی تاجدارِ رسالت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے اَخلاقِ کریمہ سے بہت مُتاثِّر تھے اور کسی صورت بھی آپ کے دامنِ اقدس سے جدائی انہیں برداشت نہ تھی۔ چنانچہ حضرت زید بن حارثہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ زمانۂ جاہلیّت میں اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال جارہے تھے کہ بنوقین نے وہ قافلہ لوٹ لیا اور حضرت زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو مکہ میں لاکر بیچ دیا۔ حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کے لئے ان کو خرید لیا۔ جب حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا نکاح حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا سے ہوا تو انھوں نے زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں بطورِ ہدیہ پیش کر دیا۔ حضرت زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے والد کو ان کی جدائی کا بہت صدمہ تھا اور وہ حضرت زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی جدائی میں اَشعار پڑھتے اور روتے ہوئے ڈھونڈتے پھرا کرتے تھے۔ اتفاق سے ان کی قوم کے چند لوگوں کا حج کی غرض سے مکہ جانا ہوا تو وہاں انہوں نے حضرت زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو پہچان لیا اور جب وہ حج سے واپس گئے تو انہوں نے حضرت زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خیر و خبر ان کے باپ کو سنائی۔ حضرت زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے باپ اور چچا فدیہ کی رقم لے کر ان کو غلامی سے چھڑانے کی خاطر مکہ مکرمہ میں حضور پُرنور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا: اے ہاشم کی اولاد! اپنی قوم کے سردار! تم لوگ حرم کے رہنے والے ہو اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے گھر کے پڑوسی ہو، تم خود قیدیوں کو رہا کراتے ہو، بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہو۔ ہم اپنے بیٹے کی طلب میں تمھارے پاس پہنچے ہیں ہم پر احسان فرماؤ اور کرم کرو۔ فدیہ قبول کرو اور اس کو رہا کردو بلکہ جو فدیہ ہو اس سے زیادہ لے لو۔ حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: بس اتنی سی بات ہے! عرض کیا حضور! بس یہی عرض ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: زید کو بلاؤ اور اس سے پوچھ لو اگر وہ تمھارے ساتھ جانا چاہے تو بغیر فدیہ ہی کے وہ تمھاری نذر ہے اور اگر نہ جانا چاہے تو میں ایسے شخص پر جبر نہیں کرسکتا جو خود نہ جانا چاہے۔ چنانچہ حضرت زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بلائے گئے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: تم ان کو پہچانتے ہو؟ عرض کی: جی ہاں پہچانتا ہوں یہ میرے باپ ہیں اور یہ میرے چچا۔ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ میرا حال بھی تمہیں معلوم ہے۔ اب تمہیں اختیار ہے کہ میرے پاس رہنا چاہو تو میرے پاس رہو، ان کے ساتھ جانا چاہو تو اجازت ہے۔ حضرت زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا: حضور! میں آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے مقابلے میں بھلا کس کو پسند کرسکتا ہوں، آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ میرے لئے باپ کی

جگہ بھی ہیں اور چچا کی جگہ بھی ہیں ان دونوں باپ چچا نے کہا کہ زید! غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو؟ باپ چچا اور سب گھر والوں کے مقابلہ میں غلام رہنے کو پسند کرتے ہو؟ حضرت زید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ ہاں! میں نے ان میں ایسی بات دیکھی ہے جس کے مقابلے میں کسی چیز کو بھی پسند نہیں کر سکتا۔ حضور پُر نور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے جب یہ جواب سنا تو ان کو گود میں لے لیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ حضرت زید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے باپ اور چچا بھی یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور خوشی سے ان کو چھوڑ کر واپس چلے گئے۔
(الاصابہ فی تمییز الصحابہ، حرف الزای المنقوطۃ، زید بن حارثۃ بن شراحیل، ۲ / ۴۹۵)

رشتہ داروں میں حضرت علی رضي الله تعالی عنہ جو بچپن سے جوانی تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طبیعت کے نرم اور اخلاق کے نیک تھے، طبیعت میں غایت درجہ کی نرمی تھی سخت مزاج نہ تھے۔ کسی کی دل شکنی نہ کرتے تھے، بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رؤف و رحیم تھے۔ (شمائل ترمذی)

جب مکہ فتح ہوا تو حرم کے صحن میں قریش کے تمام سردار مفتوحانہ انداز میں کھڑے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، وہ بھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برائی کیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو خود اس پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیوں کا حوصلہ رکھتے تھے۔ وہ بھی تھے جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھائے تھے وہ بھی تھے جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تلواریں چلائی تھیں، وہ بھی تھے جو غریب اور بے کس مسلمانوں کو ستاتے تھے ان کو جلتی ریتوں پر لٹاتے تھے۔ دہکتے شعلوں سے ان کے جسم کو داغتے تھے۔ آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے تھے پیچھے دس ہزار تلواریں محمد رسول اللہ کے ایک اشارے کی منتظر تھیں، مگر قربان جائیے محمد عربی پر کہ اس نے ان تمام جرائم سے قطع نظر، جانی دشمنوں پر ہر طرح سے غلبہ کے باوجود ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا اور اپنی بلند اخلاق کا کیسا دائمی اور عالمگیری نمونہ دنیا والوں کے لئے قائم کر دیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: حَدَّثَنِي بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى بَابِ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ ... إلى أن قَالَ: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، مَا تُرَوْنَ أَنِّي فَاعِلٌ فِيكُمْ؟ قَالُوا: خَيْرًا، أَخٌ كَرِيمٌ، وَابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ، قَالَ: اذْهَبُوا فَأَنْتُمْ الطُّلَقَاءُ". (سیرۃ ابن ہشام، ج:۲،ص ۲۴۲)

اے قریشیو! تمہیں کیا توقع ہے کہ اس وقت میں تمھارے ساتھ کیا کروں گا؟ انھوں نے جواب دیا ہم اچھی ہی

امید رکھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کریم النفس اور شریف بھائی ہیں اور کریم و شریف بھائی کے بیٹے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں تم سے وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا "لا تثر یب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء" آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو، جو مسجد میں چلا جائے اس کے لیے بھی امان ہے، جو دار آبي سفیان میں جاگزیں ہو جائے اس کے لیے پروانہ امان ہے۔

پوری انسانی تاریخ میں کوئی ایسا مرد کریم ہو تو لاؤ جس جگہ کے لوگوں نے آپ کے اوپر زمین تنگ کر دی ہوں، نت نئے اذیتیں دی ہوں، بھلا کوئی ایسے در گزر کر سکتا ہے مگر واہ میرے آقا کی شان آپ نے ان سے بدلہ لینا تو دور ان سے کوئی سخت لہجے میں بات بھی نہیں کی بلکہ سب کو آپ نے اپنی ردائے عفو و تسامح میں جگہ دے دی۔

معزز سامعین! آج امت مسلمہ جس دور پر خطر و جن نامساعد حالات سے گزر رہی ہے اس کا سبب کیا ہے؟ ہر محاذ پر ذلت و رسوائی ہمارا مقدر بن چکی ہیں، کبھی ہم نے اس پر غور کیا؟ نہیں نہ تو سنیں ہماری تنزلی اور ہر محاذ پر ذلت آمیز شکست کی وجہ جہاں مسلم مخالف طاقتوں کی ریشہ دوانیاں اور نت نئے منصوبے ہیں وہیں پر ہماری زبوں حالی اور پس ماندگی اور انجماد و انحطاط کی وجہ شریعت طاہرہ کے اصول بر حق سے انحراف اور اسوہ رسول مقبول سے اعراض و اہمال ہے، جس رسول کی صبح و شام، ان کا طریقہ طعام و قیام، اپنے اور بیگانے سے معاملات کا اسلوب الغرض آپ کی زندگی کا ہر ہر لمحہ ہمارے لیے ایک روشن معیار تھا ہم نے اسے بر طرف کر کے اپنی ناعاقبت اندیشی کا مظاہرہ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ آج ہر محاذ پر ہم اپنی بے بسی و بے مائگی کا رونا روتے ہیں اور ہمارے اغیار ان پر قابض ہو کر اپنے مشن کی ترویج و اشاعت میں سرگرداں ہیں۔

وہ امت جس کی خیریت کی شہادت قرآن دیتا ہو "كنتم خير أمة أخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله" اس کی افضلیت پر احادیث رسول مہر صحت ثبت کرتی ہو ،وہ امت جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی عملی تصویر ہو اور اور دوسروں کی رشد و ہدایت و فلاح و بہبود کے دیرینہ خواب کی روشن تعبیر ہو بھلا وہ امت ہر محاذ پر ہزیمت و شکست سے دوچار کیوں؟ کچھ تو ہے جس سے ہم چشم پوشی کر رہے ہیں اور اپنے عیوب و نقائص پر فضائل و ممیزات کے حسین پردے ڈالتے جا رہے ہیں مگر آئینہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا در اصل ایک ناقابل انکار حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے اخلاقی اقدار کو کھو دیا اور اپنے وقار کو اس قدر مجروح کر دیا ہے کہ جس اخلاق کی تعلیم میرے سرکار نے دی تھی آج اس کا تصور تک نہیں، یہی وہ عظیم صفت ہے جس کو سرکار نے اپنی بعثت کا مقصد بیان فرمایا "جیسا کہ مسند امام احمد حنبل میں ہے" إنما بعثت لأتمم حسن الاخلاق "(رواه الإمام أحمد) اور سنن کبری میں اسی حدیث کو یوں نقل کیا گیا ہے" إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق "(رواه البيهقى)

اگر آج ہم اخلاق حسنہ کے صفت متمیزہ سے آراستہ ہو جائیں تو آسانی سے ایک ایسے معاشرے کی تشکیل ہو سکتی ہے جو سماجی بھید بھاؤ، باہمی ستم ظریفی، آپسی چپقلش، غیبت وچغلی و باہمی قتل و غارت گری جیسے تمام تر اوصاف رذیلہ سے پاک ہو اور یہ باہمی اُخوت و مودت و مروت کے زیر سایہ زندگی گزارنے میں مدد ومعاون ثابت ہو گا۔ کیوں کہ آج ہمارے اندر اخلاقی اقدار کا اس قدر فقدان ہے کہ ہم بھائی بھائی ایک دوسرے کے دست و گریباں ہیں اور ہمارے چھوٹے بڑوں کی تعظیم سے ناآشنا ہیں، اکابر اصاغر پر شفقت و محبت نچھاور کرنے کے بجائے اس سے پہلوتہی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، ہم اس قدر قساوت قلبی کا شکار ہیں کہ رفق و نرم خوئی دور دور تک نظر نہیں آتی اور آج ہماری نگاہوں پر کبر و نخوت و انانیت کا ایسا دبیز پردہ پڑا ہے کہ تواضع وانکساری و عاجزی کا تصور ہی ختم ہو گیا جب کہ سرکار علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن الله أوحى إليّ أن تواضعوا حتى لا يفخر أحد على أحد ولا يبغي أحد على أحد" (رواه مسلم)

اور دوسری روایت میں مذکور ہے "يسروا ولا تعسروا، بشروا ولا تنفروا" تو ہماری ترقی اور خوشحالی کی راہیں جو مسدود ہیں اپنی انھیں کارستانیوں کی بنیاد پر جس کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ ہماری زبوں حالی کی دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ جب سے ہم نے اپنے اسلاف کی روش سے روگردانی وان کے فرامین سے اعراض کرنا شروع کر دیا ہے اور ان کے نشان قدم کی پیروی کو جو ہمارے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی پس پشت ڈال دیا اور قرآنی احکامات و بیانات کو صرف نظر کر دیا اسی وقت سے تنزلی، پس ماندگی ہمارا مقدر بن گئے۔

نظر آتی ہے گلشن میں ہوا ناسازگار اپنی
گل باغ خلیلی بھیج دے باد بہار اپنی

تو ایسے پر آشوب ماحول میں ہمیں ضرورت ہے خود کو متحد کرنے اور باہمی اُخوت و مودت کے اسلحہ سے لیس ہونے کی تاکہ ہم اپنے مخالف قوتوں کا نہایت ہی جواں مردی سے مقابلہ کر سکیں۔

آج اگر ہم عصبیت کے عینک اتار کر غیر جانبدارانہ طور حقائق کی نظروں سے دیکھیں تو وہ کون سی ایسی برائی ہے جو ہمارے معاشرے میں نہ ہو، بد عہدی، بد دیانتی، بد عملی کے شکار ہم ہیں، آج بلا کسی تردد کے ہم ایسے ایسے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں جن کا شریعت طاہرہ سے کوئی علاقہ نہیں ہے، ابھی حال ہی میں واقع ہونے والے محرم الحرام کے خرافات و منکرات کو دیکھیں جس میں ہم مسلمانوں نے عقیدت امام حسین رضی اللہ عنہ میں ایسے ایسے کام کیے جو ہمارے اغیار کا شیوہ رہا ہے، ہم محبت امام حسین رضی اللہ عنہ کا دم بھی بھرتے ہیں اور ان کے نانا کے اصول برحق سے

انحراف بھی کرتے ہیں، سچی عقیدت تو اس وقت ہوگی کہ جب ہمارے اقوال و افعال و اعمال سب شریعت طاہرہ کی روشنی میں ہو، اور فرامین مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رگ و ریشہ میں جذب ہوجائے.

آج ہم اپنے فرائض منصبی اور نصب العین سے اس قدر چشم پوشی کررہے ہیں کہ ان اوصاف کے ہوتے ہوئے ہم فروغ و استحکام کی دعا اور توقع تو کرسکتے ہیں مگر عملی طور پر اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنا ہمارے لیے ایک امر غیر ممکن کی صورت اختیار کرچکا ہے.

اگر آج بھی ہم متحد ہوکر باہمی اُخوت و مودت کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے، علاقائی و سماجی عصبیت سے فروتر ہوکر، اخلاص و اخلاق سے لیس ہوکر میدان عمل میں آجائیں تو ہم سے بڑا جفاکش و مجتہد کون ہوسکتا ہے ؟؟؟

وہ امت جو کبھی اپنی قلت تعداد و بے سروسامانی کے باوجود قیصر و کسری جیسے شاہانہ کروفر کو محض اپنے توکل و عزیمت کے دم پر خاک چٹائی ہو اور وقت کے بڑے بڑے سورماؤں کو اپنے در کی دریوزہ گری کے لئے مجبور کیا ہو تو آخر آج کیوں وہ سر اٹھا کر نہیں جی سکتی ؟ بس ضرورت ہے ایک ایسے جذبہ کی جس میں حق گوئی، بے بیباکی، و خدا ترسی کی جبلت کارفرما ہو. کیوں کہ

ہم سمندر ہیں ہمیں اپنا ہنر معلوم ہے
جس طرف بھی رخ کریں گے راستہ ہوجائے گا.

اللہ ہم سارے مومنین کو فرامین رسالت پر حتی الوسع عمل کی توفیق بخشے اور دارین کی سعادتوں سے شادکام فرمائے.

محمد روشن رضا مصباحی ازہری، عفی عنہ
استاذ و مفتی مدرسہ غوثیہ نوریہ، دھرکی، گڑھوا
رکن: مجلس علمائے جھارکھنڈ
۵/ربیع الاول/۱۴۴۳ھ، بروز منگل